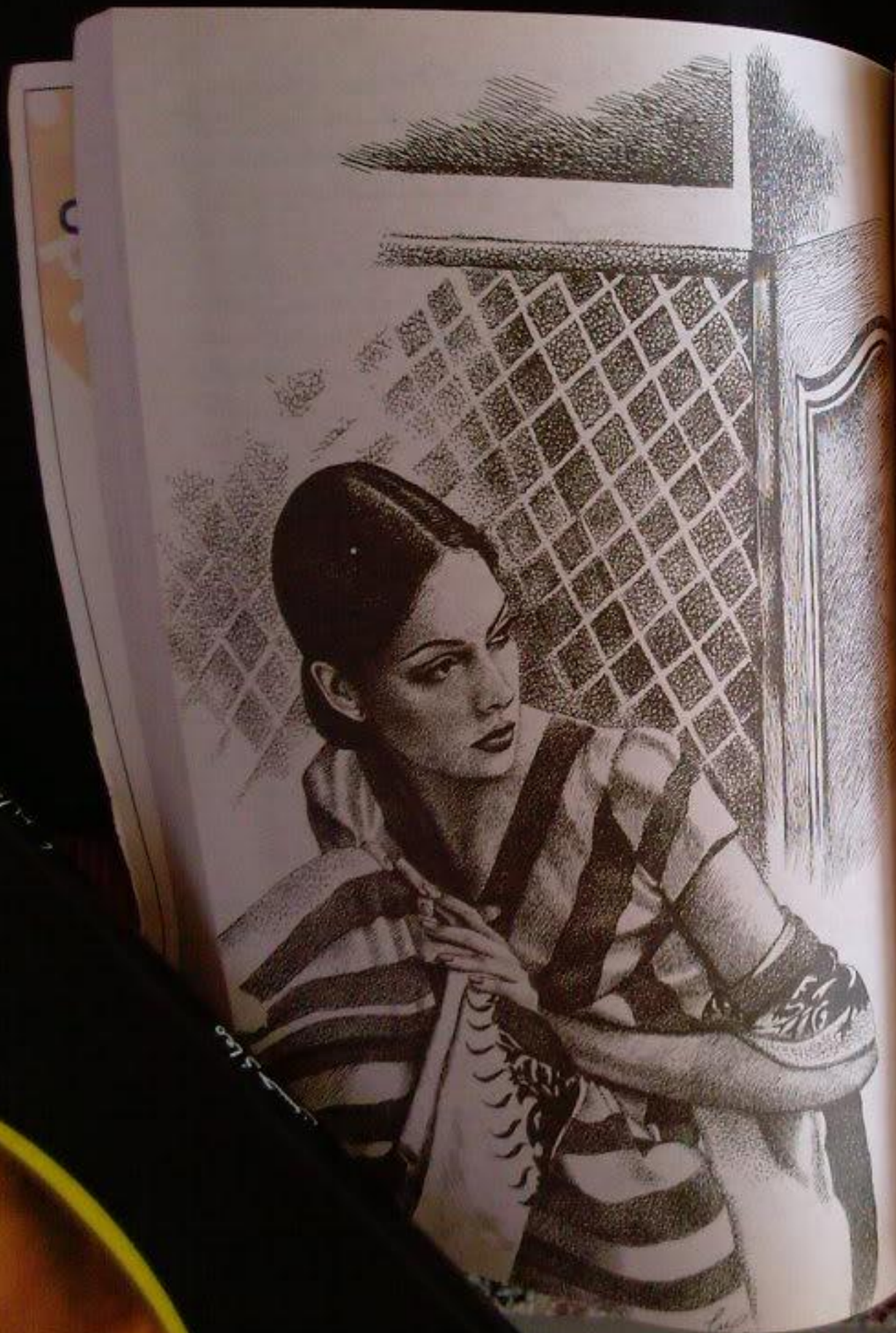

فائزہ افتخار

احساس سے احساس تک

شخصیت اور نام کے تال میل کا دھیان رکھنا میرا خاموش مشغلہ ہے۔ خاموش اس لیے کہ میں نے آج تک کسی کو اس راز میں شریک نہیں کیا۔

نام شخصیت کا آئینہ ہوتے ہیں۔ اس پر میں اندھا اعتقاد رکھتی ہوں' خود اپنے اسم بامسمّٰی ہونے کا ادراک مجھے ذرا سی سمجھ آتے ہی ہو گیا۔ میرا نام اماں نے کنیز فاطمہ رکھا تھا' انہوں نے تو دختر رسول سے عقیدت اور محبت کے اظہار کے طور پر لیکن دنیا نے مجھے سچ مچ کی کنیز ہی تو سمجھ لیا۔ سات بہن بھائیوں میں میرا نمبر

ناولٹ

پانچواں تھا۔ سب سے بڑی دو بہنیں' پھر دو بھائی' میرے بعد دو اور جڑواں بھائی' ابھی اسکول میں ہی تھے کہ دونوں بہنوں کے بیاہے جانے کی وجہ سے گھر کی تمام تر ذمہ داری مجھ پر آگئی' پھر شادی شدہ بہنوں کی خاطر مدارت' ان کی زچگیوں میں خدمت' بچے سنبھالنا' پوتڑے دھونا' بدلنا وغیرہ وغیرہ میں ہی ڈیوٹی میں شامل ہوتے چلے گئے۔

اس شاندار کارکردگی سے متاثر ہو کر نئی آنے والی بھابھیاں بھی میری خدمات سے استفادہ کرنے لگیں۔ یوں صبح سے شام تک کی چاکری نے مجھے سچ مچ کی (وہ بھی بے دام کی) سمجھنا شروع کر دیا۔ میں نے ذہن میں فرض کر لیا کہ نام شخصیت پہ لگے لیبل کی طرح ہے' جو لیبل پہ لکھا ہو گا' وہی اندر سے برآمد ہو گا۔ قدرت بھی میرے اس یقین کو پختہ کرتی چلی گئی۔

شادی کا تجربہ سونے پہ سہاگہ ثابت ہوا۔ میں خیر خود کو کنیز کب کا مان ہی لیا تھا۔ لیکن حقیقتاً [illegible] کے ساتھ کس طرح پیش آیا جاتا ہے' یہ اب پتا میری ساس کا نام افسر سلطانہ تھا اور ان میں افسرانہ بھی موجود تھی اور سلطانی جاہ و جلال بھی لشکارے تھا سر مسکین تھے۔ نام کے بھی آنکھوں کے بھی میرے مجازی خدا متین رضا ولد مسکین رضا مہ متین و حلیم تھے۔ اماں جی بیوی بچوں کے سامنے انہیں سخت سست سنا دیتیں تو مسکراتے ہوئے ان پاؤں دابتے رہتے۔ ان کی متانت بیوی کو ماں ہاتھوں پٹتے دیکھ کے بھی برقرار تھی۔

میرے ہاں اوپر تلے کے تین بیٹے ہوئے تو میں نے مستقبل کی پیش بندی کرتے ہوئے ان کے نام فیاض عادل اور فیضان رکھے تاکہ ان میں عدل و انصاف، حق گوئی، فیاضی اور اپنی ذات منوانے کے اوصاف پیدا ہوں۔

آخر میں بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام میں نے بڑے چاؤ سے شہزادی خوش بخت تجویز کیا، وہ سچ مچ کی شہزادی ثابت ہوئی۔ تین بھائیوں کی اکلوتی بہن، باپ کے کلیجے کی ٹھنڈک، دادا کی آنکھوں کا نور اور دادی کی راج دلاری۔ ان کی اپنی تو کوئی بیٹی نہ تھی، اس لیے بیٹی کے حصے کا پیار پوتی پہ لٹا دیا۔ اسے محبتوں، شفقتوں کے ہنڈولے میں جھولتا دیکھ کے مجھے اپنی بچپن کی حسرتیں معدوم ہوتی محسوس ہوتیں۔ گھر بھر نے اسے ہتھیلی کا پھپھولا بنا کر رکھ دیا۔ اگرچہ اس کے لاڈ اٹھانے میں میری ساس سب سے پیش پیش تھیں، لیکن کیا ہوا کہ ذرا اس نے قد کاٹھ نکالا وہ ہونے لگیں اب انہیں اس کے رنگ ڈھنگ ڈرانے لگے تھے، اس کی نازک مزاجی، ضد، ہٹ دھرمی، بچپنا، پھوہڑپنا سب چبھنے لگا۔ اٹھتے بیٹھتے مجھے بیٹی کو سنبھالنے کی "مت" (تحفظ) دینے لگیں۔

لیکن اب کیا ہو سکتا تھا، شہزادی نے پیدا ہوتے ہی خود کو اتنا اہم دیکھا تھا، اپنی ہر بات منوانی چاہی تھی، انکار کا منہ تک نہ دیکھا تھا، اب جب اس کی ضدی طبیعت اور خود پسند فطرت پختہ ہو چکی تھی میں اسے "بیبی بچی" کیسے بنا سکتی تھی، جو چپ چاپ روٹیاں بیلتی رہے۔ بھائیوں کے کلف زدہ کرتے زور لگا لگا کر استری کرتی رہے اور دادی کے سرہانے سر ہاتھ کے بیٹھی سر دباتے دباتے مراۃ العروس کے اقتباسات سنتی رہے۔

اسکول سے آ کر وہ یونیفارم میں ہی ٹی وی کے آگے جم جاتی، وہیں کھانے کی ٹرے پیش ہوتی۔ کھانے کے ذرا سہارے سرکا کر وہ کارٹ پہ ہی اونہہ چی لیٹی ٹانگیں ہلاتے ہوئے کیبل کے چینل بدلا کرتی۔ آنکھیں تھک جاتیں تو لائٹ تف کر کے اسی جگہ لیٹے لیٹے صوفے کا کشن سر کے نیچے دھر کر ٹیپ آن کر دیتی۔ جنون کے جتھلی اور ابرار الحق کے دھماکے گیت سنے جاتے، اب دادی کو فکر لاحق ہو گئی کہ اگلے گھر جا کر "گڈوں بلی" کا بنے گا کیا۔ لیکن مجھے اس کی کوئی فکر نہ تھی۔ یہ میرا اس کے مبارک نام پہ اندھا اعتقاد تھا۔ رہیں اماں جی تو خدا جھوٹ نہ بلوائے عمر زیادہ ہو جائے تو انسان کو یونہی وہم ستایا کرتے ہیں، خصوصاً جس نے ساری زندگی دوسروں کے سینے پہ مونگ دلے ہوں، ان کو مکافاتِ عمل کا زیادہ ہی خوف ہوتا ہے۔ بیٹی ان کو خدا نے کوئی دی نہیں، اس لیے خوفِ خدا سے بے نیاز ہو کے بڑی توجہ اور دھیان کے ساتھ بہو کے بخیے ادھیڑے۔ اب یاد آتا ہو گا تو لرز جاتی ہوں گی کہ کہیں خدانخواستہ لاڈلی پوتی کو بھی ان ہی کے جیسی ٹریننگ اور پریکٹیکل قسم کی ساس نہ مل جائے۔

سزا اور جزا پہ میں بھی ایمان رکھتی ہوں اور مانتی ہوں کہ بعض اعمال کی سزا اسی جہان میں بھگتنی پڑتی ہے، ساتھ ساتھ میرا ایمان یہ بھی ہے کہ بعض نیکیوں کا اجر بھی اسی دنیا میں وصول ہو جاتا ہے۔ اس لیے اپنی اس مثبت سوچ اور ہر معاملے کا روشن پہلو دیکھنے کی وجہ سے میں اماں جی کی بہ نسبت مطمئن تھی کہ میری عمر بھر کی محرومیوں، صبر اور برداشت کا صلہ اللہ تعالیٰ میری بیٹی کو دیں گے۔

شائد میرے ایمان کی پختگی اللہ کو پسند آئی تھی، اس لیے اس نے میری سوچ کو لوچ پہ محفوظ کر لیا۔

یہ کوئی تین سال پہلے کی بات ہے شہزادی خوش بخت دوسری بار میٹرک کا امتحان دے کر فارغ ہوئی تھی۔ پڑھائی کے معاملے میں وہ بس یونہی ہی ہے حالانکہ میرے تینوں بیٹے ماشاء اللہ بڑے لائق فائق ہیں۔ فیاض ڈاکٹر ہے تو فیضان نے بھی کمپیوٹر میں کوئی اونچی سی ڈگری لے رکھی ہے۔ عادل کا رجحان کاروبار کی طرف تھا اس لیے بی اے کے بعد مزید تعلیم حاصل کی۔ پھر بھی ذہانت میں دوسرے بھائیوں سے کم نہیں، جب کہ شہزادی نے پہلے سال میٹرک کا امتحان تو اسکول کے ساتھ ساتھ ٹیوشنز رکھوانے کے

باوجود مضامین میں رہ گئی۔ کمپارٹ کے دوبارہ پیپرز دیے تو پہلے سے بھی کم نمبر آئے اس سال میں نے زبردستی (حالانکہ اس کے ساتھ زبردستی کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے) اسے دوبارہ سارے پرچے دینے پر تلا دیا۔

وہ فارغ ہوئی تو مجھے فیاض کی شادی کی فکر لگ گئی۔ کئی ساسوں سے اسے دولہا بنا دیکھنے کی آرزو تھی۔ لیکن میری ڈاکٹری کی تعلیم کی طوالت آڑے آتی تھی تو کبھی ہاؤس جاب کے مشکل دن رکاوٹ بنے۔ اب خیر سے اپنے پیروں پہ کھڑا ہوا تو میرے ارمان پورے ہونے کے دن آئے۔ شہزادی کو ساتھ لے کر میں نے دلہن ڈھونڈنے کمر کس لی۔

کبھی دو تین کنوئیں ہی کھنالے تھے کہ ایک عجیب واقعہ ہوا جس گھر میں لڑکی دیکھنے گئی تھی، اس کی خاتون اگلے دن میری بچی کا رشتہ لے کر آ گئیں۔ میں حیران پریشان شہزادی کے بارے میں کچھ کیا کچھ سوچا ہی نہیں تھا۔ میرے شوہر بیٹے بھی متفق تھے کہ ان کو حتمی جواب دے دیا جائے۔ لیکن میری ساس بضد تھیں کہ لڑکے اور اس کے گھر والے کے بارے میں معلومات حاصل کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور جب لڑکے کے بارے میں جملہ تفصیل میرے گوش گزار ہوئی تو میرا دل جیسے میرے ہاتھوں میں

میرا تمام تر یقین صرف لڑکے کے نام پر اٹک کر رہ گیا، "مطیع" پھر تو میں نے اپنے شوہر کا اس کی کم آمدنی پہ اور کثیر سسرالی بیٹیوں کا، اس کی عمر پہ، نہ ہی میں نے لڑکے کا رہن سہن دیکھا، بس زندگی میں یہ ایک موقع تھا جب میں نے ہمت کر کے اپنی مرضی چلانا چاہی اور اللہ تعالیٰ نے شاید میں اتنی ہمت بھی نہ کر پاتی، اور اگر کرتی تو نوالہ پاتی اگر میری ساس ہم نوالہ ہوتیں۔ اور اس گھر میں پہلی بار میری آواز بلند ہوئی تھی تو یہ بھی پہلا موقع تھا کہ اس آواز میں اماں جی نے آواز ملائی

(نہ کہ جوتی اٹھائی تھی۔)

ان کا اس رشتے پہ اصرار لڑکے کے بہترین "گھرانے" کی وجہ سے تھا۔ وہ بہن بھائیوں میں درمیان کا نمبر رکھتا تھا۔ درمیان والے بیٹے کے لیے بائیں ویسے بھی ذرا کم تسلط پسند ہوتی ہیں، سارے چاؤ نخرے بڑے اور چھوٹے چیمتوں کے لیے ہوتے ہیں اور یہاں تو مطیع الدین کی والدہ خود عرض کر رہی تھیں کہ "میرا بیٹا سرگودھا جیسے چھوٹے شہر میں نہیں رہنا چاہتا۔ لاہور کراچی یا اسلام آباد سیٹل ہونا چاہتا ہے، ہم اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں تاکہ اپنا گھر بار بسا کر الگ ہو، دراصل ہم تو اپنا آبائی اور جدی پشتی گھر اور شہر نہیں چھوڑ سکتے نا، ہمارے بڑوں کی قبریں یہاں، ہماری بہنوں، دھیوں کی سسرالیں یہاں، بس مطیع کا مزاج اور طرح کا ہے اسے جیسی بیوی چاہیے تھی۔ آپ کی بیٹی بالکل ویسی ہے شوخ، معصوم، حسین اور الھڑ۔"

اور میری ساس بالکل ہی ریجھ گئیں۔ انہیں عمر کا بارہ تیرہ برس کا وقفہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بس اپنی پوتی کو بغیر ساس نند کے اکیلے گھر میں دندناتی دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں اور میں..... مجھے تو اپنے متوقع داماد کا نام پسند آیا تھا۔ مطیع..... واہ کیا نام ہے ان شاء اللہ تعالیٰ میری لاڈو کا مطیع و فرمانبردار ہی بن کے رہے گا، میں نے اللہ کا نام لے کر ہاں کر دی۔

باپ اور بھائی نیم رضامند سے تھے، لیکن چند ہی دنوں بعد ان کے بل بھی دور ہو گئے۔ جب پتا چلا مطیع مقابلے کے امتحان میں پاس ہو گیا ہے۔ افسر لگ گیا ہے دارالحکومت میں مجھے اپنی بیٹی کے "خوش بخت" ہونے میں کوئی شبہ نہ رہا۔ سرکاری بنگلہ، نوکر چاکر جھنڈے والی گاڑی۔ باوردی ڈرائیور، رعب دار افسر ٹائپ شوہر جو گھر آ کر سرکار کے بجائے بیوی کی ملازمت کرے اور سسرال کے جھنجٹ سے آزادی الگ۔

فیاض میرا بردبار بیٹا اگرچہ اپنے نام کی طرح بڑے کھلے دل والا ہے، اس نے ایک بار نہ جتایا کہ اس کی دلہن ڈھونڈتے ڈھونڈتے میں بیاہنے کے چکر میں رگ

گئی۔ پھر بھی مجھے خود احساس تھا اس لیے بیٹی کے ساتھ ساتھ بیٹے کی مہم بھی جاری رکھی۔ میں چاہتی تھی بیٹی جائے اور بہو آئے۔ میرے اس فیصلے پہ کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میری نصیبوں والی بیٹی جاتے جاتے اپنی خوش بختی کا سایہ مجھ پہ ڈال رہی تھی۔ جب سے میرے فیصلے کے روشن ستارے سب پہ عیاں ہوئے تھے سب ہی مجھے داد دینے لگے تھے حتیٰ کہ میری ساس بھی میری اندر الٹکی کی گرویدہ ہو گئی تھیں۔ خاندان کے لوگ جو مجھے اتنی چھوٹی سی بچی کو بیاہ دینے پر سمجھانے آئے تھے۔ منگنی پر میرے والد کی شان و شوکت دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اب بہو کے معاملے میں بھی تقریباً تمام اختیارات میرے تھے۔

یہ بھی غنیمت کہ میں اپنے سسرالی رشتہ میں کوئی ایسا قریبی رشتہ نہ تھا کہ جس کی بیٹی لانے کے لیے مجھ پہ ساس اور سسر کا دباؤ ہوتا۔ نند تو اللہ کے فضل سے کوئی تھی نہیں جس لے دے کر ایک جیٹھ تھے جو بیس سال سے شارجہ میں مقیم تھے۔ ان کی بیٹیاں میرے بیٹوں سے خاصی بڑی تھیں اور کئی سال پہلے بیاہی جا چکی تھیں۔

ہاں رشتے کی ایک نند تھیں، چونکہ سگی نہ تھیں اس لیے ان سے میرے تعلقات کچھ اچھے نہ تھے اور پھر میری ساس یعنی اپنی پھوپھی سے ان کی کم ہی بنتی تھی اس لیے بھی میرے دامتاے کے دنوں میں ہی انہوں نے خاصی بدمزگی مجھ سے مگر لیکن جب مجھے اندازہ ہوا کہ ان کی نظر میرے بیٹوں پر ہے اپنی اکلوتی دختر کے لیے تو میں اب ذرا لے دے کے ہی رکھتی۔ میرا کوئی بیان غلط ہوتا پھوپھی ساس کے لیے ہی بیٹے کے لیے ان کی وکالت کی ضرورت پڑتی تو مجھے ہی بیٹے سے نرس تو بیاہ لائی تھی کہ ایک نے بھی اس کی اول جلول فضیحت کے بھیجے کم نہیں کیے تھے، چھوٹی بہو ان چکنے گھڑے والی سہی تو مجھے بھی کرنا نہ تھی لیکن کچھ تو اس زمانے کی لگے۔ ذرا تو رنگ ڈھنگ طور طریقے ہوں اور وہ محترمہ تھوپنے چہرے پہ کھل سا چشمہ، گھنگھالی بالوں کو اتنی سفائی سے

کس کسا کے چوٹی گوندھتی کہ کھنچی کھنچی جاتی۔ بھورے بالوں کے رنگ اڑے، بڑے بڑے پیٹرن والے شلوار قمیص پہن کر، گھسے گلے والی ہوائی چپل گھسیٹتی پھرتی رہتی۔ بھلا کسی نے آج کے زمانے میں گریجویٹ لڑکی دیکھی ہے، کوئی مانے نہ مانے سب ہی کے ہم کا اثر ہے۔" انوری۔ "ہم سے ہی کمپیرژن کرانے والی مائی لگتی ہے اور اماں کے ارمان دیکھ میرے ڈاکٹر بیٹے کے لیے بالکل جچتی ہے۔ جب ایسا رکھا ہے تو داماد بھی کوئی ویسا ہینڈسم والا ڈھونڈ شکر ہے میری ساس کو وہ کبھی بھی ایک آنکھ نہیں ہمیشہ اسے نند سمجھ کے برداشت کرتی رہیں ورنہ ان دان کو سیڑھی بنا کر داماد سوار کر لیتی۔

اور رہا میرا میکہ تو میرے باقی سب بہن بھائی مجھ سے عمر میں خاصے بڑے تھے، اسی حساب سے ان اولادیں میری اولادوں سے، البتہ سب سے چھوٹے بھائی کی چار بیٹیاں تھیں۔ دو بیاہ دیں اب دو رہتی تھیں اسے میری طرف سے خاصی آس تھی جو میں نے خاصی بے دردی سے توڑ دی یہ کہہ کر کہ ہم تو بہو ہو بھیا مجھے سسرال میں کبھی بھی خاطر میں نہیں لیا بھلا میرے میکے سے بہو آنے کون دے گا۔ میری سنتا ہے وغیرہ وغیرہ۔"

حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اس کی پڑھی لکھی نے اپنی بیٹیوں کی تربیت کچھ زیادہ ہی کر ڈالی تعلیم پر بھی ضرورت سے زیادہ ہی توجہ دی وجہ تھی کہ پہلی دو بیٹیاں بھی اس قدر مشکل سے تھیں۔ پی ایچ ڈی بیٹی کے لیے ہم پلہ ڈھونڈنے میں دانتوں پسینہ آیا۔ پھر آخر کار چالیس سالہ رنڈوا پروفیسر ملا اور ایم بی اے کر دوسری بیٹی نے خود ہی ہاتھ پیر مار کے اپنے پاس کیا (مگس کا) اور گھر بار والی ہوئی۔ اب باقی دو اگر خوبیاں تھیں پوری کوٹ سے ہم بھی ایک ایک تھے، ہم ہی کی طرح فصیح و بلیغ مقرر، مصنف، ایم اے صحافت، اخباروں میں لکھتی ہے اور خدا کی پناہ اس قدر بولتی ہے کہ

کہ الامان ایمرجنسی ڈیکلیئر ہو گی۔ اتنی چلتی ہوں وہ ہرا کر کیا مجھے اپنے کم گو بیٹے کی بالکل ہی بولتی ہے اور دوسری بالغہ، توبہ کیسا بدذائقہ نام بولنے والی مل جائے حلق کو غرارے بولو زبان کو مل پڑ جائے، سچ مچ کی بالغہ روزگار ہر فن کی نوت آجائے۔ سچ مچ کی بالغہ روزگار ہر فن ٹیوشن سینٹر کھول کر بیٹھی ہے۔ دو ماہ بعد اسی بھی ٹیوشن سینٹر کھول لیا اور دل بھر گیا تو لاکھوں میں لیا سامان اونے پونے بیچ کر رسالہ نکالنے کے کام پہ لگ جائے گی۔ گھڑی میں تولہ، گھڑی میں میرے بیٹے کی کمائی اس کے نت نئے شوق پورا کرنے میں ہی لگ جائے گی اس کا تو وہ حساب ہے کھویا کچھ نہیں لگا اس تو ڑا بارہ آنے۔

بالفرض اس دنیا میں کوئی اچھی لڑکی نہ پا کر مجھے رشتہ کرانے والی مائی کی ہی خدمات حاصل کرنا پڑیں، شادی کی تیاریاں جاری تھیں۔ ساتھ ساتھ اور شور سے لڑکی ڈھونڈی جاری تھی میری ہر ممکن کوشش تھی، دونوں کی شادی ساتھ ہی انجام پا جائے اس کے لیے ضروری تھا میری پسند کی بہو مجھے جلد مل جائے ایک لڑکی ذرا دل کو بھائی تو سہی اچھے قد کاٹھ کی، گورا رنگ بڑی بڑی آنکھیں اور سب سے بڑی بات ڈاکٹری پڑھ رہی تھی یعنی جوڑا اچھا تھا مگر ہم نے سب کر دیکھی۔ رضیہ سلطانہ میری ساس بھڑک گئیں اپنا ہم چغیہ ہم سن کر لیکن میں بھڑک گئی سنہ پایا نہ کہہ بیٹھ جائے گی حکومت کرنے تو بہ توبہ اتنا جلالی ہے۔

ایک لڑکی میری بہن کے سسرال میں تھی۔ مشتری سے ہی اس دنیا کی نہ لگی تھی، میں دیکھنے جانا نہ چاہتی تھی بہن کے اصرار پر چلی گئی اور دیکھی ہوا ناک بھوں چڑھی اس مکمل خاکی مخلوق جیسی تھا سپاٹ اتھا کھینچی آنکھیں پہلے ہاسعلوم کی حدود والے ہونٹ اور ہلکے ہلکے گال، جو لوچ جوڑے میں سے لہرا لہرا کے آوارہ کر رہے تھے۔ رشتہ کرانے والی مائی نے تنگ آ کے پوچھا بھی کہ میری کیا شرائط ہیں تاکہ وہ ان کے مطابق لڑکی ڈھونڈے اب اسے بھلا کیا بتاتی کہ میری بہو کا نام بڑا اچھا سا پیارا ہونا چاہیے تاکہ ہم کے گن اس کی ذات میں ہی چھپیں، خدا خدا کر کے ایک ایسی لڑکی مل ہی گئی۔

میں بری بے دلی سے تنگ گلیوں میں بنے اس چار مرلے کے کچے پکے مکان میں گئی تھی، جہاں رہنے والی لڑکی کی تعریفوں کے پل مائی نے باندھ دیے تھے اس کی ماں کا حال ہی میں انتقال ہوا تھا باپ پہلے ہی سے نہیں تھا، اس کے پرچون فروش بھائیوں کو دیکھ کر میرا دل اور کھٹا ہو گیا بھلا یہ اس قابل ہیں کہ میرے ڈاکٹر بیٹے کے سالے کہلا سکیں۔

میں نے کھا جانے والی نظروں سے پیسٹری نگلتی مائی کو گھورا۔

"یقین کریں باجی لڑکی اچھی ہے میری نند بے چاری آپ اسی سے اندازہ کر لیں کون سی بھلا چنگی اپنی نند کی اتنی تعریفیں کرتی ہے جتنی میں کر رہی ہوں۔ وہ تو ہے ہی ایسی، ہر کسی کا دل موہ لیتی ہے اتنی خدمت گزار، اتنی نیک فطرت بہت ہی بھلی مانس ہے بے چاری۔"

میں نے بے رغبتی سے جامنی سوٹ میں پھنسی میرون لپ اسٹک اور لوز بیش آن سے تتی پتی "بھائی صاحبہ" کا قصیدہ سنا جس میں وہ ایک تو اتنے اپنی نند کا تعارف کراتے ہوئے اسے بے چاری اچھی ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھی اب نجانے بے چارہ ہونا کیسے اچھائیوں کے زمرے میں آ گیا۔

"اس کی عمر کی لڑکیوں کو تو اللہ غارت کرے فیشن سے فرصت نہیں، اس نے دن رات اپنی ماں کی ایک خدمت کی کیا کوئی نرس کرتی ہو گی۔ دو سال میں کبھی جب میری ساس کو فالج ہوا، بالکل معذور ہو گئیں یہ تو گھر بیٹھ گئی میرے اور بھائی کے "کے کے" کر تھے، ہم کیسے سنبھالتے اسی نے راتیں جاگ جاگ کر ماں کو سنبھالا، نہلانا دھلانا، ہر روز دو وقت سب دیکھا بڑی خدمت کی اس نے ماں کی آخری وقت تک۔"

دوسری بھابی جو اپریل کے مہینے میں دلہن کا

نفیس سے سجا سوٹ پہنے پسینے بہا رہی تھیں' تعریف کرنے میں پیچھے کیوں رہتیں۔

"تو کیا میٹرک تک نہیں کیا لڑکی نے۔" میرا دل بالکل اچاٹ ہو گیا' میرا بس نہ چل رہا تھا مائی کو کچا چبا ڈالوں جو گلاب جامنیں' نمکو' میں لپیٹ لپیٹ کر ٹھونس رہی تھی۔

"نہ جی' پرائیویٹ امتحان دیا بڑی لائق فائق ہے۔ یہ تو ماں کی ذمہ داری نہ پڑتی سر پہ تو نجانے کتنا پڑھتی اتنی محنت کرنے کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ ایف اے بھی کیا' سلائی کڑھائی کا کورس بھی کیا۔"

لڑکی اندر آئی۔ درمیانہ قد' درمیانی جسامت' دبتا ہوا گندمی رنگ' سادہ سے نقش' چہرے کی سنجیدگی عمر پچیس چھبیس سال تک بتاتی تھی' جس کی وجہ صاف ظاہر تھی کہ ساس کے ہوتے تک نند کو بیاہ دینا وہ افورڈ نہیں کر سکتے تھے۔ مفت کی ایک نرس ہاتھ سے نکل جاتی اور اب اس کے گزر جانے کے بعد' اس بے مقصد سے وجود کو مزید برداشت کرنے پر بھی تیار نہ تھے' اسی لیے تعریفوں کے پہاڑ کھڑے کیے جا رہے تھے۔ مجھے اس کی سہمی سہمی سی شکل پہ ترس سا آیا پاس بٹھا کے یوں ہی حسب عادت پوچھ لیا۔

"کیا نام ہے تمہارا بیٹی؟"

"جی! راحت" میں کھل اٹھی' ساتھ ہی ساتھ بیگن اور بھنڈی رنگ والے سوٹوں میں ملبوس دونوں بھابیوں پہ بھی سخت تاؤ آیا' کیا تھا جو اتنی بکواس کرنے کے بجائے فقط بچی کا نام ہی بتا دیتے۔ کم از کم اتنی دیر کی کوفت تو نہ اٹھانا پڑتی' اس یقین کے ساتھ کہ راحت نام کی یہ مسکین سی نظر آنے والی خدمت گزار بچی اپنے نام ہی کی طرح میرے گھر کے لیے تسکین و راحت کا باعث بنے گی۔ میں نے جھٹ ہاں کر دی۔ بھنڈی رنگ کے ویلوٹ والے سوٹ میں ملبوس بھائی کے پہنچے کچھ اور چھوٹ گئے اور میرون لپ اسٹک والی کے نارنجی گال مزید دہکنے لگے۔ جتنی کہ مائی سموسہ منہ میں رکھ کر چبانا بھول گئی شاید خود اسے بھی میرے اس رشتے کو قبول کرنے کی امید نہیں تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ فیاض راحت کی تصویر دیکھنے کے بعد کچھ بجھ سا گیا ہے' اس نے ہونے والی بیوی کی شکل و صورت میں تو نہیں البتہ تعلیم کے بارے میں کچھ ہلکا سا اعتراض ضرور کیا جسے میں نے مسترد کر دیا۔

"بالکل جاہل تو نہیں ایف اے کیا ہے' حالات نے مزید تعلیم حاصل کرنے سے روک دیا' ورنہ اچھی خاصی ہوشیار لڑکی ہے تمہاری خواہش ہے تو بعد میں اور پڑھاتے رہنا' ویسے بھی اگر سب ڈاکٹر' لیکچرر بیویاں مانگنے لگیں تو یہ کم پڑھی لکھی لڑکیاں کہاں جائیں۔ کنویں میں ڈوب مرنے' اپنی بہن کو دیکھو' میٹرک کر میٹرک کیا ہے اور اتنے بڑے سرکاری افسر کی بیوی بن رہی ہے یہ سب نصیب کے کھیل ہیں۔" اور وہ نصیب پر راضی بہ رضا ہو گیا۔

راحت دلہن بن کے اچھی خاصی لگ رہی تھی' آخر میں نے اتنے بڑے پارلر سے تیار کروایا تھا۔ لہنگا بھی اس قدر قیمتی تھا یہ الگ بات کہ ساتھ بیٹھی میری شہزادی خوش بخت پریوں کو مات دے رہی تھی۔

"دلہن کا قد تو فیاض سے کافی چھوٹا ہے۔" کسی نے اعتراض کیا' واقعی میرے چھ فٹ اونچے چوڑے شانوں والے صحت مند گورے چٹے بیٹے کے آگے وہ بونی سی لگ رہی تھی۔ میں نے ہنس کے بات ٹالی۔

"اچھا ہے نا ساری عمر سر اٹھا کر جیے گی شوہر کے آگے اور شوہر ہمیشہ سر جھکا کے بات کرے گا۔"

نجانے کس منحوس گھڑی' یہ بکواس میرے منہ سے نکلی اور قسمت نے اس پہ مہر لگا دی۔ شادی کے موقع پہ منہ سجا کے پھرنے والے میرے پہلوٹی کے صاحبزادے ویسے والے روزیوں چمک رہے تھے جیسے کوئی بانڈ نکل آیا ہو۔ میں ذرا کی ذرا ٹھٹکی پھر میری مثبت خیالی نے مجھے تسلی دی۔

"چلو اچھا ہے میرا اندازہ درست نکلا' راحت واقعی باعث راحت ہے۔" لیکن کب تک دیتی خود کو یہ تسلیاں' رفتہ رفتہ بی بی کے جوہر کھلنے لگے۔

ہمیشہ جھکی رہنے والی نظریں اب تنے ہوئے ابروؤں کے ساتھ گستاخانہ اشارے کرتی محسوس ہوتیں۔

منمناتی آواز اب ڈھکے چھپے الفاظ میں چبھو چبھو کر تیر لگانے لگی۔ ابھی شادی کو ہفتہ بھر ہی ہوا تھا البم میں شادی کی تصویریں سجاتے ہوئے اس نے بڑی ٹٹولتی نظروں سے مجھے دیکھا پھر بڑے رازدارانہ لہجے میں کہنے لگی۔

"آنٹی! دیکھیں نا شہزادی اس تصویر میں کتنی چھوٹی سی لگ رہی ہے' ننھی سی گڑیا۔۔۔" دلہن بنی بیٹی کی خوبصورت تصویر دیکھ کر میں سرشار ہو گئی۔

"ہے بھی تو گڑیا' ابھی عمر ہی کیا ہے اس کی سترہ سال۔"

"واقعی؟ پھر آپ نے اتنی جلدی کیوں شادی کر دی اس بے چاری کی' کوئی خاص بات تھی کیا؟" وہ قدرے جھک کر بولی لیکن میں اس کے عام سے لہجے میں چھپے خاص مفہوم کو بھانپ نہ سکی۔

"بس قسمت کا لکھا۔۔۔ یوں بھی رشتہ تو اوپر آسمانوں پہ طے ہوتا ہے' اتنا اچھا لڑکا گھر بار' ہم نے بیاہ دی' آج نہیں تو کل یہ فرض ادا تو کرنا تھا۔" میری سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے کر اس کی تسلی کراؤں۔

"میں سمجھ گئی محبت وحبت کا چکر ہو گا' ہاں بھئی ٹھیک ہے آج کل کا زمانہ نہیں اولاد پر روک ٹوک کرنے کا۔ جہاں ان کی مرضی ہو مان جانا چاہیے' اسی میں بھلائی ہے اگر اولاد باغی ہو کر کوئی غلط سلط قدم اٹھا لے اس سے تو بہتر ہے۔"

"نہیں نہیں بہو! تم غلط سمجھ رہی ہو۔"

میں نے ٹوکا لیکن میرا لہجہ چاہنے کے باوجود کڑک دار نہیں تھا' پریکٹس جو نہیں' وہ اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے طنزیہ مسکراتی رہی۔ میرے سینے پہ برچھیاں چل گئیں۔ عجیب اذیت سی ہونے لگی۔

اس کا پھیکا سانولا چہرہ دیکھ کر جو ہمہ وقت ایک طنزیہ مسکراہٹ سے سجا رہتا' اذیت کی یہ لہریں اس وقت اور شدید ہو جاتیں' جب اس کی دو دھاری زبان سیدھا میرے دل و دماغ پہ پے در پے کرتی۔ میں نے اس کا سامنا کم سے کم کرنے میں ہی عافیت جانی میرا یہ رویہ گھر کے ماحول کو سازگار رکھ سکتا تھا مگر جو اماں جی کا وجود نہ

ہو تا۔ رات بھی سوا میر ہو کر ساتھوں سے سوئی ان کے اندر کی سانس پھر سے پوری آب و تاب کے ساتھ جاگ اٹھی۔ شاید میرے چپ چاپ بیتے آنسو دیکھ کے انہیں اتنا مزا نہ آیا ہو گا جتنا رات کو ترکی بہ ترکی جواب دیتے، برتن پٹختے اور ہاتھ اٹھا اٹھا کے واویلا کرتے دیکھ کر آتا ہو گا۔

رات بی بی نے اور کسی کے فرق کو رات پہ پہچانا ہو یا نہ ہو، پھپھی ساس کے فرق جھگڑالو پن کی تسکین ضرور ہو گئی تھی لیکن اس عمر میں اتنی ٹینشن وہ سہار نہ سکیں اور بستر پہ پڑ گئیں۔ ان کی حالت میں دیکھ نہ سکی اور ہوسپٹل پہ اپنا حق جتاتے ہوئے انہیں سمجھانے چل پڑی۔

"میٹا! وہ جو بھی ہیں، کچھ کہہ دیں تو چپ چاپ سن لیا کرو۔ میں بھی تو اتنے سالوں سے گزارا کر رہی ہوں صرف اپنے گھر کے سکون کے لیے۔ اور کیا کر سکتی ہیں سوائے چند کڑوے بول کہنے کے، جس کے پی جانا اتنا بھی مشکل نہیں۔ بڑی بات ہے ہوں کو یوں ترکی بہ ترکی جواب دینا ان کی عمر کا لحاظ کر کے۔"

"عمر کا لحاظ ہی تو ہے ابھی لیے صرف زبان سے جواب دیتی ہوں ورنہ وہ بھائی کی عمر کا لحاظ اس کی ایسی رگڑائی ہو جائے۔" نجانے کہاں سے ایسی ایسی تلخیاں لگا سکھی تھیں میں کتنی ہی دیر جواب سوچتی رہی۔

"ہیں عمریں اور پھر بیماری میں انسان بوڑھی چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ تمہیں اپنی امی یاد نہیں وہ بھی بیمار تھیں آخری دنوں میں کیسی ہی ہوں گی یا تم ان پہ یوں ہی ناراض ہوتی تھیں؟ میں نے سنا ہے تم نے ان کی بڑی خدمت کی ہے۔"

مجھے اب اس کی بھابیوں کے دعوے سراسر جھوٹ لگتے، وہ تو مرتے ہوئے شخص کو ایک گھونٹ پانی پلانے کی روادار نہ لگتی تھی۔ چارہ گر مسیحا۔

"اس کی ماں کا کیا پوچھتی ہیں، کتنے سال کما کھیں میری زندگی نے وفا نہ کی ورنہ اس کے جانے پیچھے تو یہاں سکون میں آ جاتے اور ہماری جان کو پھٹ گئی کہ آپ اس خیال میں ہیں کہ میں آپ کی ساس کی مائل کروں، سر دباؤں تو بھول جائیے۔"

"نہ بی بی! مجھے ایسی خوش فہمی نہیں۔ اللہ میرے ہاتھ پیر سلامت رکھے میں کلی ہوں اپنے بچوں کی خدمت کے لیے۔"

اس کے بدتمیزی سے ہاتھ نچا نچا کے بولنے پہ مجھے بھی غصہ آ گیا۔

"تم سے کسی اور کو کیا توقع ہو گی، جو اپنی سگی ماں تک کا لحاظ نہ کرتی ہو۔ بجائے ان کی مغفرت کے ان انہیں کوس رہی ہو۔" میں تو کہہ کر باہر نکل آئی یہ جانے بغیر کہ میرا یہ کا سا غصہ بھی وہ یوں سننے والی نہیں۔ اگلے دن فیاض ماتھے پہ تیوریاں سجائے، آنکھیں نکالے، کمر پہ ہاتھ ٹکائے صبح سویرے میرے کمرے جواب طلبی کے لیے سوار تھا۔ میں حق دق رہ گئی۔ میں نے بھلا اپنے فرمانبردار اور تمیزدار بچوں کے یہ رنگ ڈھنگ کہاں دیکھے تھے۔

"مجھے اس سے کیا کہنا ہے بھلا؟ صرف اتنا کہا تھا کہ اماں کی کالحاظ کر لیا کرے یوں بدبدا کے مت بیٹھا کرے۔ کوئی ایک عمر تو نہیں دونوں کی۔ میرا اس کا جھگڑا بھی کیا ہے میں اگر کچھ کہوں تو بات بڑھے، زیادہ چوٹ تو اس کی اماں کی سے ہی لگ رہی ہے۔"

"تو آپ انہیں نہیں کہہ سکتیں، بھلے چنگے اللہ اللہ کیا کریں بجائے گھر کا سکون خراب کرنے کے۔" وہاں کو چھوڑ دادی کے پیچھے پڑ گیا۔

"میں کیا اور میری بساط کیا؟ ساری عمر اماں جی کے آگے زبان کھولی ہے جو اب کھولوں گی۔" میں بے اختیار سے بولی۔

"اور سارے بدلے لینے کا موقع تو اب آیا ہے، وہ بکھ آپ کے ساتھ دادی اماں نے کیا ایسے آپ میری بیوی پہ زیادتی کر رہی ہیں۔ وہ بے چاری یتیم مسکین اس مقصد کے لیے آپ غریب گھر کی لڑکی بیاہ کر لائی تھیں۔"

اس کی آواز بلند ہو گئی اور میرا دل چاہتا کہ میں نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا لیکن میرا کلیجہ پھٹ گیا۔

"آخر میں نے سنوں کہ آپ کی طرف سے کوئی زیادتی ہوئی ہے۔ وہ بھی انسان ہے، غریب گھر کی ہے تو کیا اس کی عزت نفس نہیں کرتی ہے۔ وہ میری بیوی ہے اس کی ایک مضبوط حیثیت ہے اس گھر میں، خبردار جو کسی نے اسے کمزور جان کے ناجائز دبانے کی کوشش کی۔"

وہ دھاڑتا سارے گھر کو وارننگ دیتا گھر سے نکل گیا۔ اماں جی سر تا سر ململ کے دوپٹے سے ڈھانپے تکیے میں منہ چھپا کر لیٹ گئیں۔ ابا جی حقہ اٹھا کے باہر نکل گئے۔ انہیں اخبار میں مزید گم ہو گئے۔ میں نے کمرے میں جھانکتی مچلتی ہوئی مسکراہٹ والی رات کی ایک جھلک دیکھی اور دل پکڑتے ہوئے بیٹھ گئی۔

اس کے کمرے سے موسیقی کا شور بلند ہوا اور میرے دل سے "آذیت آذیت" کی تکرار۔

♥ ♡ ♡ ♥

ابھی تو ایک دلہن کو گھر آئے چند روز ہی نہ گزرے تھے کہ عادل نے اپنی دلہن لانے کی فرمائش کر دی۔ چھوٹے بھائی کی شادی پر اس نے کیسے لڈو کھا لیے تھے کہ راتوں رات شادی کر لینے پہ تل گیا تھا۔ پہلے پہل اس کی بے وجہ سی فرمائش میں میں کرتی سمجھتے ہوئے ٹال دی، دوسری اور تیسری بار بھی جب اس نے سنجیدگی سے اپنا مدعا دوہرایا تو میں پریشان سی ہو گئی۔

"شاید سسرال والے بالا ہی بالا کوئی لڑکی پسند کر چکے ہیں۔" میں نے اندازہ لگایا، مگر کریدنے پہ یہ اندازہ غلط نکلا۔

"میری کوئی خاص پسند نہیں، البتہ چند شرائط ہیں، جو میں اپنی ہونے والی بیوی میں دیکھنا پسند کروں گا اور انصاف کا تقاضا تو یہی ہے کہ جس طرح میں آپ پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے اپنا معاملہ آپ پر چھوڑ رہا ہوں، آپ اسے اپنی مکمل ذمہ داری سے تلاش کر کے میری پسند کی دلہن لا دیجئے۔" اس نے مسکراتے ہوئے ذمہ داری ڈالتے ہوئے کہا۔

"اچھا لگا نہ کیا ہے تمہاری۔۔۔ یہ بھی بتاؤ۔" میں نے کم رضامند ہوتے ہوئے سوچا، حالانکہ

اتنی جلدی تیسری شادی کرنے کا حامی نہ تھی لیکن لڑکا اپنے حد سے کر رہا تھا، کیا کہی کیا جاتا اور کیا نہیں۔ اس لیے میں نے سوچا کہ اس کی تسلی کروا دینے سے شاید اس کا بھوت اتر جائے۔ اپنے طور پہ سلجھا ہوا ہے، اپنے میں کیا مطالعہ رکھتا ہے، کیسی ہونا چاہتا ہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔ کچھ ہو تو سمجھ بجھا کر راضی کرنے میں بھلا کتنی دیر لگتی تھی۔

"پہلی بات تو یہ کہ بھابھی کی طرح آپ کی بہو بھی کسی بھوکے ننگے گھر سے نہیں آنی چاہیے۔ میرے گھر کھلا سفاک اٹھا ہے۔ میرا سسرال کا تعلق میں برابر کا ہونا چاہیے۔"

"بری بات بیٹا! ایسے نہیں کہتے، خدا کو تکبر پسند نہیں۔"

"میں تکبر نہیں کر رہا، انصاف کی بات کر رہا ہوں۔" عادل ہر بات میں عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنا چاہتا تھا۔ میں اگر غریب گھر کی لڑکی لانے سے انکاری ہوں تو کوئی کروڑ پتی گھرانے کی بھی نہیں۔ تلک ربا۔ ہمارے جیسے تو ہوں تم تو کم سے کم سوجھ دار گھرانے سے ہو۔ مجھے کسی کے پیسے سے کوئی غرض نہیں، نہ ہی کسی قسم کا مقصد صرف یہ ہے کہ اچھے گھر کی لڑکی بیاہ کر لائی تو ہو گی نا کہ بھابھی کی طرح بیوی اور گھر والے پن کا مظاہرہ کرے گی۔"

اس کی بات پہ مجھے دھچکے کے لگے روز سکلاوے کا دن پاس آ رہا تھا، دھچکے کے بعد اس کی بھابیاں اسے لے کر گئیں، نہ جانے کیا کیا پٹیاں پڑھ کر بھول گئی میں نے الماری میں سنبھال کر رکھ دیا۔ اگلے روز گھر آتے ہی پہلے اس نے پرس کا کونہ کونہ چھان مارا۔ کونہ کونہ میں سارا پرس اسے تھما دیتے ہی کھول کر چیک کرنے لگی۔ میں نے پوچھا۔

"بھابھی کیا بات ہے کوئی خاص نقد ہے اس میں؟"

"میری سلامی کی ساری رقم اس میں تھی، اور میں اپنی الماری میں ہی رکھ کر بھول گئی۔"

"چلو شکر کرو گھر میں ہی تھا' میں نے اسی وقت سنبھال لیا۔"

"لیکن ـــــ" اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔ "لیکن میں نے رقم تو گن کر بھی نہیں رکھی تھی۔ نجانے کتنی تھی اور اب کتنی ہے۔"

آخری جملہ اس نے آہستگی سے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے کہا تھا لیکن اتنی آواز بہرحال ضرور رکھی تھی کہ آواز کی بھنک کسی نہ کسی کو پڑ جائے اور عادل اب اسی کا حوالہ دے رہا تھا' اس روز سب سے زیادہ پتا بھی تو وہی تھا۔

"اور دوسری شرط' مجھے پکی عمر کی بیوی نہیں چاہیے' فیاض بھائی خود چھبیس سال کے ہیں اور بیوی آٹھ سال بڑی نہ سہی برابر تو ضرور ہوگی۔ یہ بھی کوئی جوڑ ہے۔"

"دیکھنے میں تو اتنی چھوٹی لگتی ہے شوہر سے۔"

"جی ہاں' ڈیڑھ دو فٹ چھوٹی۔" اس نے ناراض نظروں سے مجھے دیکھا۔ "ذہنی طور پر عورت مرد کی بہ نسبت زیادہ جلدی میچور ہو جاتی ہے' آپ ایک سولہ سالہ لڑکے کو دیکھیں اسے بیٹ پکڑے گلیوں میں چوکے چھکے لگانے' دوستوں کے ساتھ سائیکل کی ریس لگانے کے علاوہ کیا کام ہوتا ہے' جب کہ لڑکیاں چودہ پندرہ سال کی عمر میں گھر کے نظام کا حصہ بننا شروع ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے پچیس سالہ عورت پچیس سالہ مرد کے اوپر حاوی ہو سکتی ہے' میں آج پچیس سال کا ہوں اور مجھے بیوی کم از کم انیس سال اور زیادہ سے زیادہ دس سال کی چاہیے۔"

"اتنی داغی پابندی تم کہو تو سولہ سال کی دلہنیا رانی لے آوں۔"

"نہیں' کیونکہ مجھے میٹرک پاس یا انڈر میٹرک بچی نہیں چاہیے۔ میری تیسری شرط یہ ہے کہ وہ گریجویٹ ہو۔ ٹھیک ہے میں نے بھی صرف بی اے کیا ہے لیکن یاد رہے' فرسٹ ڈویژن میں اور ضروری نہیں بیوی شوہر کے مقابلے لازمی طور پر کم تعلیم یافتہ ہو۔"

"اور کچھ؟" میں سنجیدہ ہو گئی بلکہ ہونا ہی پڑا۔

"ہاں آخری شرط' لڑکی ہنس مکھ اور شوخ و چنچل ہونی چاہیے' روتی بسورتی' ماتھے پہ بل لیے گورنس مجھے پسند نہیں۔ وہ ایسی ہونی چاہیے کہ اس کے ہونٹوں سے ہر طرف مسرتیں پھوٹنے لگیں۔"

پورا شرائط نامہ تفصیلی بیان کرنے کے بعد وہ چینل بدلنے میں مصروف ہو گیا' میرے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

"تم شادی کی مووی دیکھ کر کیوں نہیں کوئی لڑکی پسند کر لیتے۔"

"مووی میں مجھے صرف اس کی شکل نظر آئے گی' تعلیم اور گھرانے کا اندازہ کیسے ہو گا۔ بہتر ہے اس سائنسی ایجاد سے آپ خود بھی استفادہ کریں' آپ فنکشن پر آئی ہر لڑکی کے حدود اربعہ سے واقف ہوں گی۔"

اس کے مشورے پہ میں نے دوبارہ سے مووی دیکھی' شہزادی کی ہر سہیلی' خاندان کی ہر لڑکی راحت کے میکے کی تمام کزنز' محلے کی تمام بچیاں خوب خوب ریوائنڈ کر کر کے پرکھیں' شہزادی کی سہیلیوں میں ایک سے ایک اعلا گھرانے کی امیر کبیر لڑکی تھی' لیکن ظاہر ہے کہ سب ہی اسکول کی اسٹوڈنٹس یا پھر فرسٹ ایئر کی خاندان میں پڑھی لکھی لڑکیوں کی کمی نہ تھی لیکن عمر کا مسئلہ تھا کہ انہیں ڈگریاں لیے کئی کئی سال ہونے کو آئے تھے۔ راحت کے میکے کی طرف میرا ذہن نہ مانا۔ اگرچہ تب تک وہ مجھ پہ پوری طرح کھل تو چکی تھی لیکن اس سے کی گئی توقعات بھی پوری ہوتی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ پھر عادل کی ناپسندیدگی بھی ذہن میں تھی محلے کی لڑکیوں میں جس پہ میری نظر ٹھہری وہ "مسرت" تھی۔

"وہ ایسی ہونی چاہیے کہ اس کے وجود سے ہر دم مسرتیں پھوٹیں۔" عادل کے الفاظ یاد آئے اور میں نے اس کا ہنستا کھلکھلاتا نیچرل اسٹل کر دیا۔

ہلکی سی عمر' نکیلا سراپا' گھنگھریالے سیاہ شانوں تک کٹے بال' ہر دم مسکراتی بھنورا آنکھیں' گداز لبوں پہ

ہوتا ہے' اللہ بچائے ایسی سمجھ دار بہوؤں سے جو آتے ہی شوہروں کی ساری سمجھ بوجھ سلب کر لیتی ہیں۔ ایسی شوخ و چنچل' بے فکر' الھڑ لڑکیاں یہ جتھ کنڈے کیا جانیں۔ میں نے ہاں کروا کے دم لیا۔ چند ماہ بعد ہی مسرت میرے آنگن میں تھی۔

اس کی شادی کی تیاریوں کا سارا مزا نی بی راحت نے غارت کر کے رکھ دیا' بجائے اس کے کہ وہ میرے ساتھ شاپنگ وغیرہ میں مدد کرواتی۔ میری لائی ہر چیز میں نقص نکالنے بیٹھ جاتی۔ فیاض کے ایک بار تن کر اس کی حمایت میں کھڑے ہو جانے کے بعد میں خود ہی محتاط ہو گئی تھی اور اسے کم ہی منہ لگاتی ورنہ اس کے اس طرح ناک چڑھانے پر کئی بار میرے جی میں آیا اس سے کہوں۔

"یوں کیڑے نکالنے کے بجائے تم خود کیوں نہیں دیور کی بری تیار کروا لیتیں۔"

مگر چپ ہی رہتی اسے بھابیوں والے کوئی چاؤ ہی نہیں تھے تو میں بھلا کیوں اپنی بات گنواتی۔ یوں بھی اس کے ساتھ الجھنے کے لیے اماں جی کافی تھیں' یہ الگ بات کہ دن میں ایک آدھ بار جب تک وہ میرے کانوں میں کوئی اذیت ناک فقرہ انڈیل نہیں دیتی تھی' اسے چین نہیں پڑتا تھا۔ بری کے ملبوسات کے بعد زیورات کی باری آئی تو اس کے پیٹ میں پھر مروڑ اٹھنے شروع ہو گئے' اسے اعتراض تھا کہ نہ اس کی بری کے لباس اتنے شاندار تھے اور نہ ہی زیور اتنے زیادہ۔

میں نے اسے سمجھانا چاہا کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں' میں نے تو بساط بھر توازن رکھا تھا البتہ فیاض اور عادل کی اپنی آمدنی کا اثر تو پڑتا ہی تھا۔ فیاض کی لگی بندھی تنخواہ اور عادل کے چلتے کاروبار کا فرق سب پر صاف ظاہر تھا۔ مجھے تو اس کا خود پہ لگایا ناانصافی کا الزام بالکل برداشت نہ ہو رہا تھا میں نے اپنا زیور بہت پہلے ہی تین برابر حصوں میں تقسیم کر لیا تھا اپنی تینوں بہوؤں کے لیے۔

شہزادی کے لیے اماں جی نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی' نجانے کہاں کہاں سے سیروں سونا نکالے جا رہی

بھورا تل' جو مسکرانے کی وجہ سے ہر وقت شکارے مارنے لگتا' اور پھولے پھولے گالوں میں پڑتے گہرے ڈمپلز' جن کی وجہ سے ہلکی سی مسکراہٹ بھی کھلی کھلی ہنسی محسوس ہوتی۔ پوری مووی میں جب بھی اس پر کیمرو گیا اسے مسکراتے ہوئے ہی پایا۔ وہ واقعی ہم کی ہی نہیں مجسم مسرت تھی۔ میں ایک بار پھر نام پہ فدا ہو گئی۔ ابھی راحت کی اذیت بننے کا راز نہیں کھلا تھا۔ شاید اس لیے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس مہینے بی اے کے پیپرز دے کر فارغ ہوئی ہے۔ میں نے اطمینان بھری سانس لی اور اگلے دن وہاں جانے کی تیاری کی۔

اس کا الھڑپن مجھ پہ پوری طرح کھل گیا۔ راحت کی طرح سر جھکا کے من من کرنے کے بجائے وہ حسب عادت مسکرا مسکرا کے پورے اعتماد کے ساتھ باتیں کرتی رہی۔ اسے قہقہے چھوڑتے دیکھ کر مجھے اطمینان ہوتا رہا۔ دراصل جیسے جیسے راحت کی زبان کھلتی جا رہی تھی' اس کا اولین روپ مجھے سراسر ڈرامہ اور دھوکہ سا لگنے لگا تھا۔

"شکر ہے یہ راحت جیسی میسنی اور گھنی نہیں' فضول کی شرم و حیا اور سیدھی ہونے کا ڈرامہ نہیں کر رہی۔" پھر جب اس کی ماں نے بڑی شرمساری سے اس کی تعریفیں کرنے کے بجائے یہ کہا۔

"بہن جی! میں جھوٹ نہیں بولوں گی' گھر میں چھوٹی ہونے کی وجہ سے لاڈلی بہت ہے۔ ابھی تک بچپنا ہے۔ شادی کی عمر ہو گئی لیکن ذمہ داری اٹھانے کی نوبت نہیں آئی۔ چائے بنانے' پکوڑے تلنے اور چاول ابالنے کے علاوہ کوئی کچن کا کام نہیں جانتی۔"

"ارے میری بچی تو یہ تک بھی نہیں جانتی تھی' بڑی خواہش تھی اکلوتی بچی کو پاس کھڑا کر کے سارے کام سکھانے کی۔ چلو اب سارے شوق اپنی بہو پر پورے کروں گی۔ بچی کی تو شادی ہی اچانک ہو گئی' سارے چاؤ دھرے کے دھرے رہ گئے۔"

میں ان کا عذر خاطر میں نہ لائی۔ اس کا بچپنا میرے لیے قابل اعتراض نہ تھا۔ اچھا ہے نا بچپنا معصوم

تھیں۔ میں تو میں، میری شارجہ والی جٹھانی بھی حق دق رہ گئی ہم بہوؤں کو تو ایک ایک چاندی کا سیٹ اور سونے کے جھمکے ڈالے گئے تھے اب پوتی کے لیے ان کا بس نہ چل رہا تھا سونے کا ہی ڈولا بنوا کر اس میں بٹھا کر رخصت کریں اس قدر تو وزنی ان کی پازیبیں تھیں، وہی تڑوا کے دو بھاری سیٹ بنے، اب جس کا جو نصیب وہی اسے ملے گا۔ لیکن وہ اپنی کم ظرفی کا اظہار کرنا نہ بھولتی۔ دل تو چاہتا صاف صاف سنا دوں کہ۔

"لاڈو رانی! یہ جو تمہارا میاں ہے اسی نے جیب سے دھیلا تک نہ نکالا تھا۔ بڑا "فیاض" بنا پھرتا ہے۔"

لیکن میں جانتی تھی وہ کہاں یقین کرے گی۔ شادی سے پہلے اس کی تصویر دیکھ کر بے دلی سے ایک طرف پھینک دینے والا اور مرے مرے انداز میں دولہا بننے والا میرا بیٹا اب بیوی کا والہ و شیدا تھا۔ اور مجھے حیرت اس کے دیوانے پن پر نہیں تھی، بلکہ اس بات پہ تھی کہ آخر وہ دیوانہ ہوا کس وجہ سے۔ آخر وہ راحت کی کس ادا پہ لٹو ہوا ہو گا مجھے تو سر پٹخ پٹخ کر بھی اس کا ازیت ناک شخصیت میں کوئی خوش کن ادا یاد نہیں آتی۔ اول تو وہ مسکراتی ہی شاذ و نادر تھی۔

لوگ عموماً" خوشی کے اظہار کے طور پر مسکراتے ہیں اور وہ مسکراہٹ تب بکھیرتی تھی جب اس کی کسی حرکت یا فقرے پہ اگلا تلملا رہا ہو اور اس کی یہ مسکراہٹ چہرے پہ یوں پھیلتی تھی جیسے ہونٹوں سے نکل کر دو برچھیاں دائیں بائیں پھیل گئی ہوں اور اگر جو کبھی ان محترمہ کو اخلاقاً" (رسمی ہی سہی) مسکرانا پڑے تو یوں لگتے کہ کسی کے پیٹ میں سخت مروڑ اٹھ رہے ہوں۔

لیکن نجانے فیاض کیوں اس پہ نثار ہونے کو ہر دم تیار رہتا تھا اس کی تابعداری اور جی حضوری نے مجھے ایک نیا اندیشہ لاحق کر دیا کہ یہ حضرت تو شادی سے پہلے جی جان سے ماں سے شاکی تھے کہ بیوی ان کے آئیڈیل کے مطابق نہیں نہ تعلیم کے لحاظ سے نہ صورت کے لحاظ سے اب ان سے بڑا رانجھا ہی کوئی نہیں، ادھر بیوی نے کان میں پھونک ماری ادھر ہاں کے سر پر جواب طلبی کے لیے سوار، تو اگر اس کلیہ طے تو عادل توزن مریدی کے نئے ریکارڈ قائم کرے گا ایک تو اس کی بیوی صورت کی پیاری دوسرے اس پسند کے عین مطابق وہ تو پہلے ہی شادی کے لیے ہو رہا تھا بیوی پا کر کہاں کسی کو خاطر میں لائے گا۔

خیر پھر بھی سب اندیشے فکریں جھٹک کر میں شادی کی تیاری میں مگن ہو جاتی۔ دیکھا جائے گا جو بھی ہو میرے لیے یہی کافی ہے کہ میرے بیٹے کی پسند عین مطابق دلہن آ رہی ہے۔ اللہ ان کی آپس کی زندگی خوشگوار رکھے بھلے مجھے پوچھیں نا پوچھیں دیگر ہی طرح میں نے بھی بیٹے اور بہو سے زیادہ توقعات نہیں رکھی تھیں۔ اور پہلے تجربے کے بعد تو میں نے اب پر بھروسہ کرنا بھی چھوڑ دیا تھا، مگر برسوں کی عادت اچانک تو نہیں چھوٹتی، راحت کے ازیت بننے کے باوجود میں مسرت سے "دلی مسرت" کی امید اب بھی لگائے بیٹھی تھی۔ میری اس امید کو پہلا دھچکا جلد ہی لگ گیا۔

بچپن سے ایک بات سنتی آ رہی ہوں کبھی اپنی اولاد سے کبھی ساس سے چھوٹی تھی تو بہنوں کے ساتھ مذاق کے دوران لوٹ پوٹ کے ہنستے ہوئے اماں کی ڈانٹ بھی سنتی رہتی۔

"بس کر کنیز بس کر، تھوڑا ہنس، جتنا ہنسو اتنا ہی رونا پڑتا ہے۔" کبھی کبھی ان کی پیشن گوئی سچ بھی ہو جاتی جب بھائی کے کسی کڑیا توڑ دینے پر یا اچانک بڑی باجی کے چانٹے پہ میں حلق پھاڑ کر رونے لگ جاتی۔ اپنے بچے ہوئے تو تب بھی یہ مقولہ کان میں گونجتا رہتا۔ اکثر میں اپنے کسی بچے کو گود میں لے کر گدگدی کے کھکھلانے پر مجبور کرتی اور ان کے قل قل کرنے پہ نثار ہوتی تو اماں جی کی کڑک دار آواز مزا کرکرا کر دیتی۔

"ہائے ہائے حشر کر دیا منے کا ہنسا ہنسا کر، دیکھ لینا اتنا ہی روئے گا بے چارہ۔" میں جل کر سوچتی اماں یہ برداشت کر ہی نہیں سکتیں میرا اپنی ہی اولاد کے ساتھ ہنسنا کھیلنا بھلا یہ کوئی قانون ہے کہ بچہ جتنا ہنسے گا اتنا ہی روئے گا۔

ہی رو کر حساب برابر کرے گا۔ لیکن چند منٹ بعد ہی میری یہ دانشورانہ سوچ میرا منہ چڑا رہی ہوتی' جب عادل سیڑھی سے منہ کے بل گر جاتا یا اچانک عادل کا ہاتھ دروازے میں آجاتا۔ تب ان کے رونے چلانے کا دورانیہ اتنا طویل ہوجاتا کہ میں آئندہ انہیں گدگدا کے ہنسانے سے توبہ کرلیتی۔

مسرت کے گھر آنے کے بعد میں اس عقیدے پر پورا ایمان لے آئی جس پہ ساری زندگی کچا پکا سا ہی یقین رہا تھا میں خود بھی دیکھ چکی تھی اور اس کے اپنے گھر والے بھی بتاتے تھے کہ وہ ہنستی بہت ہے۔ اب شاید ساری زندگی کی ہنسی کا تاوان اس نے شادی کے بعد ہی ادا کرنا تھا۔ سارے رونے میرے ہی گھر آکر نکلنے تھے۔ رخصتی کے وقت سب سے ملتے ملاتے ہوئے اس کی ناک کی "بتھنی" کہیں گر گئی۔ گھر آکر اسے کمرے میں لانے کے بعد جو میں نے اس کے زیورات اور میک اپ درست کرنا چاہا تو پریشان ہو کر رہ گئی۔ اگرچہ بتھنی بری کی نہیں بلکہ جہیز کی ہی تھی پھر بھی میرا پریشان ہونا فطری تھا۔ مجھے فکر تھی کہ صبح ولیمہ ہے اگر دلہن کے گھر والوں نے زیورات میں سے معمولی سی چیز بھی غائب دیکھی تو یہی کہیں گے کیسے لاپروا لوگ ہیں پہلے دن بھی دلہن کا دھیان نہ رکھ سکے۔ نہ اس کے زیورات کا۔ ساری بات مجھ پر ہی آنی تھی۔ اس لیے میں بوکھلا کر رو گئی اس سے پوچھا تو بے فکری سے سہم سہم کر ہچکیاں لیتے ہوئے کہنے لگی۔

"بھلا مجھے کیا پتا؟"

بیکار میں خود ہی منہ موڑنے لگ گئی۔ میں جھلائی کلپ کا کونہ کونہ کھنگال ڈالا۔ ڈریسنگ روم میں جہاں اسے ڈریسنگ ٹیبل وغیرہ لا کر دی گئی تھی۔ پتہ پتہ چھان مارا۔ اس کے سونے کے کمرے میں بھی دیکھ آئی جس جس راستے سے گزری تھی وہاں جھانک کر بھی دیکھ لیا۔

"مجھے پکا یقین ہے شہزادی یہاں ہی کر گیا ہوگا' یا پھر رخصتی کے وقت باہر گر گیا ہوگا۔"

"ہوں" آئی ابرو اچکا کر بتھنی ہی تو ہے" اس کی سکراہٹ میں کچھ تھا۔ مجھے مزید کوفت ہوئی پھر یہ سوچ کر غصہ دبایا کہ بچی ہے۔ معاملے کی نزاکت کو نہیں سمجھتی۔

"بیٹا چیز چاہے چھوٹی ہو یا بڑی' اتنی لاپروائی نہیں برتنا چاہیے۔"

"میں نے کیا لاپروائی کی' اب اتنے بھاری لباس کے ساتھ اس حالت میں زیورات کا دھیان رکھتی پھرتی۔"

اس نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ آخر کار اس کے کٹاؤ دار خوبصورت لبوں سے سدا چپکی رہنے والی مسکراہٹ رفو چکر ہوئی' موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اسے اس گھر میں آئے بمشکل گھنٹہ بھر ہوا تھا اور یوں اس سجے سجائے روپ میں نئی نویلی دلہن کا سا اس سے بحث کیے جانا مجھے عجیب سا لگا پھر اس کی ڈبڈبائی آنکھیں دیکھ کر بات سنبھالی۔

"تم نے کیا لاپروائی کرنی ہے' یہ ذمہ داری تو میری تھی اسی لیے پریشان ہوں اپنی کوتاہی پر' لیکن تم اتنی لاپروا انداز میں پیش آرہی ہو۔ اس لیے کہہ دیا کہ تمہاری چیز ہے اور وہ بھی جہیز کی۔ لڑکیاں تو جہیز کی ذرا ذرا سی چیز پہ جان دیتی ہیں یاد ہوتی ہے میکے کی۔ اور تم بے فکری سے کہہ رہی ہو کہ کوئی بات نہیں' ٹائیٹل! اب تم شادی شدہ ہو' ہر چیز کو بے فکری سے نہیں لینا مناسب نہیں۔"

بڑے پیار سے اس کے پاس بیٹھی اس کا سنہرائی اور طلائی انگوٹھیوں سے سجا گداز ہاتھ تھامے میں اسے سمجھا رہی تھی۔ میرے خواص پہ اس وعدے کا نشہ سر چڑھ کے بول رہا تھا جو میں نے اس کی ماں سے مسرت کے پھپھے اور بھائی کا کرن کر بڑے مان سے کیا تھا کہ میں سارا بن کر اعتراض کرنے کے بجائے ماں بن کر اسے سمجھاؤں گی۔ میرا سارا نشہ ہرن ہو گیا اس کی دردناک سسکیاں سن کر اور میک اپ سے سجے چہرے پر پھیلتے آنسوؤں کے سیلاب کو دیکھ کر۔ عین اسی وقت دولہا بنا عادل اندر داخل ہوا دلہن کو تسلیوں میں سر سے پاؤں تک لے کر ہلکان دیکھ کر وہ بھی ہکا بکا رہ گیا۔

"آپ نے تو ابھی سے مجھے ڈانٹنا شروع کردیا۔ میں نے مما کو کتنا کہا تھا پلیز میری شادی نہ کریں' مجھے سسرال سے اور ان کی ڈانٹ ڈپٹ سے بہت ڈر لگتا ہے میں تو کسی کی ایک تیز نظر بھی نہیں سہہ سکتی' مما جھوٹی ہیں' انہوں نے کہا تھا آپ ایسی نہیں۔ لیکن آپ تو۔۔۔"

وہ روتی جارہی تھی اور بھرائی آواز میں تقریر بھی جاری تھی۔ میں حیران پریشان کبھی اسے دیکھوں کبھی بچے کو جس کی سوالیہ نظریں مجھ پہ جمی تھیں۔

"ارے میں نے کب ڈانٹا تمہیں۔ میں تو صرف اتنا کہہ رہی تھی۔ ارے بھئی۔۔۔۔ مسرت۔۔۔۔ دیکھو بچے ایسے مت روؤ' میں نے تمہیں ڈانٹا نہیں ہے بیٹا۔" میں پچکارنے کے انداز میں اسے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگی۔ میرا حلق خشک ہوگیا لیکن اس کی آنکھوں میں نجانے کون سے چشمے رواں تھے جن کے سوتے خشک ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے اللہ اللہ کر کے ہچکیاں تھمیں اور شکایتیں کرتی زبان رکی تو میں نے اسی کو غنیمت جانا اور کمرے سے کھسک لی۔

اگلی صبح ناشتے کے ساتھ میں اور شہزادی اندر گئے تو وہی تماشا پھر شروع عادل ہاتھوں میں سر گرائے بیڈ پہ پڑا تھا اور وہ ڈریسنگ ٹیبل پہ سر ٹکائے۔

"یہ بھابی کو کیا ہوا؟" بیٹی رات والے واقعے سے لاعلم تھی۔ عادل نے سر اٹھا کر بے بسی سے دیکھا اور ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کر کے بس اتنا ہی کہہ سکا۔

"خود ہی پوچھ لو۔"

"یہ لیں آئی! یہ ہے وہ بتھنی" وہ اٹھی اور سوجی ہوئی سرخ سرخ آنکھوں کے ساتھ مجھے ٹکر ٹکر دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ اس کے ہاتھ میں رات کی وہی گمشدہ بتھنی تھی۔ "یہ لیں سنبھال لیں اب میں تو لاپرواہوں

اس کے روٹھے روٹھے انداز پر مجھے ہنسی آگئی۔ میں نے پیار سے اس کے ناراضی سے سوجے ہوئے چہرے کو ہاتھوں سے تھاما۔

"کس نے کہا میری بیٹی لاپرواہے تم تو خیر سے بڑی ہوشیار ہو' دیکھو تو کتنا سنبھال کے رکھا ہوا تھا اسے۔" اس کی بچکانہ حرکتوں کے جواب میں میرا یہ طرز عمل ایک طرح کا ردعمل تھا۔ میں اسے چھوٹے بچوں کی طرح ہی بہلا رہی تھی لیکن وہ تو پھر سے رونے لگ گئی۔ لب بسورتے ہوئے عادل کو بھرائی آواز میں متوجہ کیا۔

"دیکھا۔۔۔ دیکھا آپ نے۔۔۔ میں صحیح کہہ رہی تھی نا۔۔۔ پہلے رات کو اس ذرا سی چیز کے لیے مجھے اتنی جھڑکیاں پڑیں اب آنٹی کہہ رہی ہیں کہ میں نے جان بوجھ کر اسے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ ہائے میں نے کب چھپایا۔" اس کی آن بلند ہوئی۔

میں بوکھلا کے شہزادی کو دیکھنے لگی۔ جو منہ کھولے ایک دن کی دلہن کے ڈرامے ملاحظہ کر رہی تھی۔ خود وہ بھی بڑی لاڈلی رہی تھی اور لاڈ و پیار میں بچہ ذرا نازک مزاج تو ہو ہی جاتا ہے ذرا سی کوئی خلاف مزاج بات ہوئی کسی نے گھر کا تو آسوفٹ ٹشو بننے کو تیار' لیکن مسرت تو جیسے دکھتا ہوا آبلہ تھی۔ ذرا چھیڑا کہ پھوٹ پڑا۔

"کمال کرتی ہو مسرت' امی نے یہ کب کہا کہ تم نے اسے چھپا کے رکھا ہوا ہے۔" عادل نے مجھے گم سم کھڑے دیکھ کے اس سے کہا۔

"ڈانٹ لیں آپ بھی ڈانٹ لیں اب تو ساری عمر ڈانٹ ہی کھانی ہے۔ ہائے مما۔۔۔ ہائے پاپا۔۔۔"

وہ روتے روتے دھم سے بیٹھ گئی۔ بتھنی اس کے بڑے سے کلدار دوپٹے کے اندر والی طرف کہیں اٹک گئی تھی۔ صبح اسے ہی تو رات کا اٹھا پھرے زندہ ہو کر اسے ٹسوے بہانے کا سوچ فراہم کر رہا ہے۔ ست پوجیں اس صبح مجھ اکیلی نے کیا کیا بتیس کر کے اس کے آنسوؤں کے آگے بند باندھے تھے' تیس دے دے کر بتیسی باہر نکالی۔ عادل الگ تھلگ بیٹھا ہوا ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شہزادی خود شہزادہ عزان کی مالک تھی۔ کندھے اچکا کے باہر چلتی بنی۔ مجھے کون سا اسے بیچ بچ کرانے کا شوق تھا۔ فکر گھر میں بھرے مہمانوں کی تھی جو دلہن کو یوں دھواں دار روتے دیکھ کر فوٹو البم نے تراش ڈالتے۔

شہزادی خوش بخت شادی کے بعد پہلی بار میکے میں

باقاعدہ رہنے آئی تھی۔

وجہ مطیع کی سرکاری نوکری بھی تھی اور اس کا سسرال سے الگ رہنا بھی۔ اب بھائی کی شادی بہانہ بنی اور وہ میرے اور اماں جی کے اصرار پر شادی کے بعد بھی چند دن اور رہنے پر تیار ہو گئی۔ لیکن مسرت کے آنسوؤں نے کچھ ایسی جل تھل کردی کہ بے چاری گھبرا اٹھی۔

"امی! یہ کیا چیز اٹھا لائی ہیں آپ' ہلکۂ جذبات۔"

اس نے بھائی کے پاس ہونے کی پروا کیے بغیر آزادانہ رائے کا اظہار کیا میں نے آنکھوں سے اسے باز رہنے کا اشارہ بھی دیا کیونکہ فیاض کا تجربہ ہی کافی تھا جو بیوی کے بارے میں اتنا حساس تھا کہ چلتی ہواؤں سے لڑ پڑے لیکن یہ عادل تھا' اس نے شہزادی کی بات میں کرید لگائی۔

"ہلکۂ جذبات نہیں دکھے ہوئے جذبات' نجانے امی نے کون سا بدلہ لیا ہے۔ مجھ سے' مجھے تو یاد نہیں پڑتا کہ کبھی ان کا دل دکھایا ہو جس کی یہ سزا دی ہے انہوں نے ہاں بچپن میں کبھی کبھی دہی لانے سے انکار کردیا کرتا تھا یا پھر ان کے روکنے کے باوجود گرم دوپہر میں پتنگ بازی کا شوق ضرور پورا کرلیا کرتا تھا لیکن یہ جرم اتنے بڑے بھی نہیں جن کی پاداش میں میرے سر پہ آہوں سسکیوں سے بھرا نوکر لاد دیا ہے۔"

"عادل! خدا کے واسطے مبالغہ گوئی کی بھی حد ہوتی ہے۔ ایسا کیا کردیا ہے میں نے تمہارے ساتھ۔" اور وہ فوراً" سنجیدہ ہو گیا۔

"یہ پوچھیں' کیا نہیں کیا' میں نے شادی سے پہلے صاف صاف الفاظ میں آپ سے کہہ دیا تھا مجھے کیسی لڑکی چاہیے' کس قسم کی بیوی مجھے پسند ہے' اس میں کیا خصوصیات ہونی چاہئیں' پھر بھی آپ نے....."

"تم نے جیسا کہا تھا میں نے ویسا ہی گھرانہ ڈھونڈا' پڑھے لکھے عزت دار کھاتے پیتے لوگ' لڑکی بھی دیکھ بھال کر منتخب کی۔ عمر پورے انیس سال پی اے پاس' دراز قد' گورا رنگ اور..... ہنستی کھیلتی خوش مزاج بھی تھی۔" آخری جملہ میں نے اٹکتے ہوئے' نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"کیوں بھائی' زور کس پہ ہے' "تھی" پہ" شہزادی نے عادل کو چھیڑا تو وہ پیر پٹختا ہوا باہر نکل گیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

میرے شکست خوردہ اور زخم خوردہ وجود پہ ایک مزید تازیانہ تھا جو فیضان نے لگایا میں بدک ہی تو اٹھی۔ پہلی ٹیس سہلانے میں مگن میں یہ فراموش ہی کر بیٹھی تھی کہ میرا ایک تیسرا سپوت بھی ہے اور آنے والے دنوں میں قسمت کے پاس میرے لیے ایک اور تحفہ بھی ہے۔ میں سوچنے لگی وہ تیسرا تحفہ کیسا ہو گا؟

اذیت..... رنج..... اور..... اور.....

اذیت سے تو آپ واقف ہو ہی چکے ہیں' رنج کو بھی بخوبی پہچان گئے ہوں گے۔ یہ میری دوسری بہو مسرت کا تحفہ ہے' جو میرے اندر باہر کو لہولہان بھر گیا ہے۔ وہ واقعی ہلکۂ جذبات ہے' شہزادی نے اسے بالکل صحیح نام دیا تھا ذرا سی بات ہوئی نہیں' اور ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچ جاتی ہے۔ دل تو وہ گویا ہاتھوں میں لیے پھرتی تھی اسی لیے دن میں کم و بیش تین بار تو ضرور چکنا چور ہوتا ہے۔ نہ وہ خود نارمل رہتی نہ دوسروں کو رہنے دیتی تھی۔ اگر کسی دن اس کے صبح کے سلام کا جواب میں ناشتے کی تیاری کے دوران عجلت میں نمٹا دوں تو محترمہ رنجیدہ ہو جائیں گی۔

"اف آنٹی آپ کتنی بدل گئی ہیں پہلے کتنے پیار سے میرے سلام کا جواب دیتی تھیں۔"

ایک تو کم بخت کی دوسری بری عادت ہے کہ چپ چاپ رنجیدہ نہیں ہوتی اپنے دکھے دل کے سارے گلے شکوے فٹ سے بیان کر کے افسردہ سی سچویشن بنا لیتی ہے۔ اب آئے روز تو یہ چونچلے نہیں چلنے والے۔ یہ ٹھیک ہے کہ پہلے ایک آدھ دن نئی نویلی دلہن سمجھ کر اسے تپاک سے گلے لگا کر' ماتھا چوم کر دعا دیتے ہوئے سلام کا جواب دیا تھا اب روز روز یہ ڈرامے کیسے کروں خصوصاً" اس صورت میں جب کہ بوڑھی مگر تخریلی ساس' پرہیزی غذا کھانے والے سسر

چٹورے شوہر کے ساتھ ساتھ شادی شدہ بیٹوں کا بھی ناشتہ تیار کرنا ہو۔ کون بانچھیں چیر چیر کے صدقے واری ہوتا پھرے ان روٹی صورتوں کے' جیسے کپکپاتی آواز میں وہ سلام کرتی یہی بہت تھا کہ میں جواب دے کر ہلکی پھلکی سی دعا بھی دے ڈالتی۔ اس کے موڈ کا کیا ہے کب نہیں بگڑتا۔ کب کس بات پہ اس کا دل نہیں دکھتا۔ کون سی بات ہے جو اسے رنج میں مبتلا نہیں کرتی۔

راحت سراپا اذیت تھی تو یہ مجسم رنج و اذیت' میری بڑی بہو (میں نے سوچا ہے اس کے اصل نام کو بھول ہی جاؤں) نسیتا" کم مشکل ہے یعنی اس کے بارے میں کم از کم مجھے یہ تو پتا ہوتا ہے کہ اس کا پارہ کن باتوں پہ چڑھتا ہے۔ میری کون سی حرکت اسے ناگوار گزرتی ہے۔ کون سے عوامل اس کی کمینگی کو پالش کرتے ہیں۔

میں جان گئی تھی کہ وہ تسلط پسند ہے خصوصا" شوہر کے بارے میں' میں نے ماحول ساز گار رکھنے کے لیے فیاض سے زیادہ تعلق رکھنا رفتہ رفتہ کم کردیا آخر رہے گا تو وہ میرا بیٹا ہی چاہے میرے گھٹنے سے لگ کر بیٹھے یا بیوی کے چرنوں میں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ مجھے یہ بھی اندازہ بخوبی ہوگیا کہ وہ احساس کمتری کا شکار تھی۔ جب خود کو کسی معاملے میں کمتر محسوس کرتی' مزید ڈٹ کر مقابلے کو تن جاتی کہ یہ واحد میدان تھا جہاں ہمارا گھرانہ اس اکیلی کے مقابلے میں کمتر تھا حتی کہ اماں جی کے سیل بھی اس نے کمزور کردیے تھے۔ اپنی ماں کی تیمارداری نے کم عمری میں شادی نہ ہونے نے اس کے اندر بیزاری بھردی تھی۔ بزرگ خواتین خصوصا" بیمار بزرگوں سے اسے چڑ تھی۔ میں کوشش کرتی کہ اماں جی کا کوئی معمولی سا کام بھی اس سے نہ کروں' مجھے آئیڈیل ساس ہونے کا دعوا تو نہیں پھر بھی اتنا کہوں گی کہ میری ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ کم از کم میری وجہ سے گھر میں بدمزگی پیدا نہ ہو۔

اذیت کے سیلاب کے لیے میری ان کاوشوں کا رزلٹ سو فیصدی تو نہیں تھا کہ دودھ دھونڈھا نہ کے کوئی نہ کوئی حیلہ بہانہ نکال ہی لیتی زبان کے زنگ صاف کرنے کے لیے' پھر بھی کچھ ان تو امن رہتا ہی تھا لیکن یہ مسرت یہ تو میری بساط سے کہیں بڑھ کر مشکل بہو تھی۔ میرے گمان میں بھی نہ ہوتا کہ وہ کس بات پہ رنجیدہ ہو بیٹھی ہے۔ عادل شادی کے بعد آفس پکنک پہ گیا تھا۔ اس دن وہ نیچے اتری تو میں سبزی بنا رہی تھی۔ اس کا حال چال پوچھ کے میں پھر سے پالک صاف کرنے میں مگن ہوگئی۔ کچھ دیر بعد اسے سامنے بیٹھے انگلیاں مروڑتے دیکھا تو پوچھ لیا۔ بس اتنا غضب ہوگیا وہ تو پیچھے ہی پڑ گئی۔

"آپ ضرور میری کسی نہ کسی بات پہ خفا ہیں۔ ورنہ میرے دیر سے اٹھنے پر یا پھر۔۔۔ اور پتا نہیں مجھے نہیں یاد کہ میں نے کچھ کیا ہے لیکن آپ ضرور ناراض ہیں آپ کے رویے سے لگ رہا ہے۔"

"بھلا میں کیوں بلاوجہ ناراض ہونے لگی تم سے۔" میں نے جان چھڑانا چاہی' لیکن توبہ کیجیے اس کے آنسو منٹوں میں جل تھل کرکے ایسی کیچڑ کردیتے ہیں کہ بندہ بھاگے تو کیسے بھاگے' اک قدم اٹھانا مشکل ہوجاتا ہے۔

"کچھ تو ہے پلیز۔۔۔ بتائیں' مجھ سے کسی کی ناراضی اور غصہ برداشت نہیں ہوتا میرا تو دل ڈوب رہا ہے۔ مجھے رونا آرہا ہے۔" میں نے جل کر سوچا (تمہارا رونا کہیں جاتا بھی ہے؟) گھنٹہ بھر اس نے منمناتے ہوئے روہانسی صورت بنا بنا کر مسلسل یہی سوال کرتے ہوئے مجھے اس قدر زچ کیا کہ مجھے سچ مچ غصہ آگیا۔

"کمال ہے' عجیب بے تکی لڑکی ہو تم' جان کو آگئی ہو اب کس طرح تمہاری تسلی کروں کہ کوئی بات نہیں۔"

میرے اکتائے ہوئے لہجے میں اور شاید چہرے کے تاثرات میں کچھ تھا کہ اس کی ڈبڈبائی آنکھیں چھلک پڑیں۔

"دیکھا۔۔۔ دیکھا۔۔۔ آپ کا غصہ باہر آ ہی گیا نا۔ میں لاکھ کوشش کروں آپ کو خوش رکھنے کی آپ نجانے کیوں مجھ سے خفا رہتی ہیں۔" دونوں ہتھیلیاں

آنکھوں پر جمائے وہ فریاد کرتی ہوئی پلٹ کر بھاگی۔ میں جانتی تھی اب اس کا ٹھکانہ اس کا کمرہ ہوگا جہاں وہ پرانی ہیروئنوں کی طرح دھڑام سے بیڈ پہ اوندھی جا گرے گی اور پورا ڈبل بیڈ اس کی ہچکیوں کی زد میں ہوگا۔

کل عادل کے کسی دوست کے ہاں دعوت تھی۔ میرے سامنے دونوں میاں بیوی اچھے بھلے کمرے سے نکلے' ہلکے انگوری رنگ کے کاٹن کے سادہ سی شلوار قمیص میں وہ ہمیشہ کی طرح پیاری لگ رہی تھی۔ گھنگھریالے بال لوچے کھینچ کر بنائے گئے تھے اور گردن پہ پڑے گچھے کی وجہ سے نہ صرف وہ اور سرو قامت لگ رہی تھی' بلکہ اصل سے بھی کم عمر' البتہ اس کا سادہ سا روپ اسے کالج گرل ثابت کررہا تھا نہ کہ نئی نویلی سہاگن کاٹن کی قمیص کے دامن پہ گرے اور پنک پتیاں پینٹ کی گئی تھیں۔ گرے پٹی والا بغیر ہیل کے سینڈل' کانوں میں سلور نگینے جڑے ہلکے پھلکے ٹاپس' گلے میں نازک سی برائے نام سی چین اور کلائی میں فقط گھڑی۔

میں ٹوکتے ٹوکتے رہ گئی۔ دو تین دنوں سے رونے کا پروگرام جاری نہیں ہوا تھا' عافیت میرے چپ رہنے میں ہی تھی' کیا پتہ میرے اعتراض پہ بھاں بھاں روتی پھر سے کمرے میں بند ہوجائے کہ ہائے آنٹی آپ کو تو میں اچھی ہی نہیں لگتی۔ ہنسی خوشی انہیں مسکراتے ہوئے رخصت کیا نجانے باہر نکلتے نکلتے مسرت کے چہرے پہ بارہ کیوں بجنے لگے۔ میں گھبرا گئی اور وہی ہوا ٹھیک دس منٹ بعد عادل کی گاڑی کے ہارن بجنا شروع ہوگئے۔

"یا اللہ خیر۔۔۔" میں نے گیٹ کھلوایا۔ پہلے تو لب کچلتی آنسو بہاتی مسرت داخل ہوئی' پیچھے پیچھے غصے سے کھولتا عادل۔۔۔ مسرت نے کمرے میں جاتے ہی دھڑ سے دروازہ بند کردیا اور عادل نے ٹیبل پہ کی چین پھینک کر اور صوفے پہ ٹھوکر مار کے غصہ نکالا بعد میں تفصیل کچھ یہ معلوم ہوئی کہ گاڑی کے اسٹارٹ ہوتے ہی بیبی کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

"عادل! آنٹی مجھ سے کیوں اتنی لاتعلق رہتی ہیں۔

خواتین ڈائجسٹ میں
عمیرا
کا خوبصورت
ایمان اُمید
شائع ہوگ
خوبصورت سرورق'
آفسٹ پیپر' م
قیمت =/80
ڈاک خرچ =/0
کتاب منگوانے
=/210 روپے پیٹ
منی آرڈر ارسال
ڈاک سے منگوا
مکتبہ عمران ڈ
37' اردو بازار
فون: 3361
100 شہرہ آفاق ناول
معاذ حسن

میرا کتنا دل چاہتا ہے ان کی توجہ لینے کو' ان کا پیار پانے کو' پہلے کتنا کہتی تھیں تمہیں اپنی بیٹی بنا کر رکھوں گی۔ بیٹی تو بیٹی بہو تک نہیں سمجھتیں۔" آخری الفاظ تک آتے آتے آنسوؤں کی رفتار بھی تیز ہو گئی اور آواز بھی مزید پر رقت اور پر سوز۔

"اب کیا کہہ دیا انہوں نے تمہیں۔ میرے سامنے تو کچھ نہیں کہا نہ مجھے سنائی دیا۔ چلتے چلتے کیا تمہارے ہاتھ میں رقعہ تھما دیا گالیوں سے بھرا ہوا۔ جو یوں چیخ چیخ کے رو رہی ہو۔" عادل نے اس کے دھواں دار رونے پہ پریشان ہو اٹھا۔

"یہی تو بات ہے انہوں نے کہا کچھ نہیں۔ میں جان بوجھ کر اس طرح سادہ سی باہر نکلی' میں نے سوچا آنٹی مجھے دیکھ کہ کہیں گی' ارے بہو یہ کیا' ان کپڑوں میں دعوت میں جاؤ گی۔ زیور کیوں نہیں پہنا' میک اپ کیوں نہیں کیا' وہ والا سوٹ نکال کر پہنو' اس کے ساتھ فلاں سیٹ اچھا لگے گا تم پہ' کھلے بال اچھے لگتے ہیں وغیرہ وغیرہ میں نے تو یہی دیکھا ہے کہ ہر ساس کو شوق ہوتا ہے اپنی بہو کو سجا سنورا دیکھنے کا۔ ضد کر کر کے انہیں بناتی سنوارتی ہیں۔ یہی دیکھنے کے لیے میں اتنی بڑی دعوت میں یہ سڑے ہوئے رنگ کا لباس پہن کر نکلی کہ ابھی آنٹی ٹوکیں گی۔ خود جا کر کوئی کلدار بھاری بھرکم جوڑا نکالیں گی۔ اپنے ہاتھوں سے جڑاؤ گلوبند اور کنگن پہنائیں گی۔ لیکن ... ہائے مما... ہائے پاپا جی... آپ نے مجھے کہاں بھیج دیا۔ کسی کو مجھ سے محبت ہی نہیں۔"

عادل کی زبانی یہ ساری روداد سن کر میں سر تھام کر بیٹھ گئی۔ کیا کروں جو اس درد سے بھرے چھالے کو تھپکیں نہ پہنچے' کتنے جتن کروں کہ اس کی آنکھ میں آنسو نہ آسکے۔ میں تو بری پھنسی' اذیت اور رنج میں بھی میری ہی ذات گرفتار اور بیٹے کی شکایتوں کا مرکز بھی میں' وہ برملا کہتا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا مجھے روتی بسورتی بیوی نہیں' شوخ چنچل چاہیے تھی۔ اب بتائیے میں کیا کرتی میں نے اس کی پر مسرت کھلکھلاہٹیں دیکھ کر ہی پسند کیا تھا کیا پتا تھا سارے قہقہے سارے چٹکلے سکھی سہیلیوں کے لیے ہیں ہمارے لیے آنسوؤں سے بھرے ٹب اور رنج پگھلا ہی شکل ہی رہ گئی ہے۔ دیر تک سر پکڑے یہی سوچتی رہی۔

"اذیت... رنج... اور...

معاً" فیضان نے دھماکا کر دیا۔

"امی وہ میرے ساتھ ہی آفس میں ہوتی ہے۔ میں جانتا ہوں آپ جاب والی لڑکیوں کو پسند نہیں کرتیں نہ ہی زیادہ تعلیم یافتہ لڑکیاں' آپ کو بھاتی ہیں لیکن کیا کروں دونوں بھابیوں کو دیکھ کے میرا دل اوسط درجے کی تعلیم رکھنے والی گھریلو قسم کی لڑکیوں سے الرجک ہو گیا۔ اور پھر وہ... وہ کیا لڑکی ہے خدا کی قسم..." (خدا کی قسم اس کا تکیہ کلام تھا)

"تو تم نے خود ہی لڑکی بھی پسند کر لی اور شادی کا فیصلہ بھی مجھے کیا اطلاع دینے آئے ہو۔" سارا غصہ اس پر نکالا میں نے۔

"میں نے لڑکی ضرور پسند کر لی ہے اور ظاہر ہے شادی کرنے کے لیے ہی پسند کی ہے' لیکن آخری فیصلہ آپ کا ہی ہو گا۔ اتنا واضح کر دوں کہ محض اس کے جاب کرنے کی وجہ سے اسے مسترد مت کیجئے گا۔ یہ نہیں تو کوئی اور سہی لیکن شادی میں جاب کرنے والی تعلیم یافتہ لڑکی سے ہی کروں گا۔"

"تو پھر اسی سے کر لو میرے بھائی! اپنی پسند کو گنوا مت دینا۔ مشکل سے ہی من پسند ساتھی ملتا ہے۔" عادل نے سرد آہ بھر کے کہا۔

"یہ نوکری کرنے والی لڑکیاں..." میں نے کچھ کہنا چاہا' لیکن فیضان نے ہاتھ کھڑا کر کے روک دیا۔

"پلیز امی... ایسے کسی کے بارے میں اندازے لگانا درست نہیں۔ آپ اس سے ایک بار مل تو لیں خدا کی قسم وہ لاجواب لڑکی ہے۔ اتنی ذہین' اتنی قابل'

اتنی گریس فل۔"

"پھر لڑکی تو نہ ہوئی' عورت کہو۔" میں نے اعتراض کیا کیونکہ میری ناقص عقل کے مطابق گریس فل کا لفظ صرف عمر رسیدہ افراد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

"وہ ایک میچور سوچ رکھنے والی لڑکی ہے۔" میرے اعتراض کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ مسلسل اس لڑکی کہنے پہ مصر تھا۔ اور پھر ہماری دلچسپیاں خیالات نظریات بالکل ایک سے ہیں' وہ بھی کمپیوٹر فیلڈ سے تعلق رکھتی ہے۔ میں بھی۔ اتنی ہم آہنگی کے ساتھ زندگی آسان ہو جاتی ہے۔" اس کے دلائل بھی مجھے راضی نہ کر پا رہے تھے۔ نوکری پیشہ باس چپ ہو مجھے ہضم نہ ہو رہی تھی۔

"میں اس ذہنی ہم آہنگی کو بالکل نہیں تسلیم کرتی۔ نظریات و خیالات ایک ہونے سے زندگی خوشگوار ہرگز نہیں ہو سکتی اب مجھے ہی لو۔ تمہیں اپنے ہوش سنبھالنے سے لے کر اب تک اپنے ابا کا اور میرا کوئی جھگڑا یاد ہے؟ نہیں نا حالانکہ مزاجاً" ہم مشرق مغرب تھے وہ گوشت خور مجھے بینگن اور ٹنڈے بھاتے۔ مجھے گرمی بہت لگتی۔ پسینہ بہت آتا اور وہ پنکھے کی آواز تک سے الرجک ہمیشہ سب سے کم اسپیڈ میں پنکھا چلاتے ہیں' انہیں صبیحہ خانم پسند تھی مجھے نشو' ان کا پسندیدہ ہیرو محمد علی تھا اور مجھے تو ہمیشہ سے وحید مراد ہی پسند رہا ہے۔"

"تو ہوا می آپ بھی بس..." فیضان نے برا سا منہ بنایا "اگر آپ کے خیال میں ٹنڈے اور بینگن پر اتفاق رائے ہونا اور وحید مراد کا مشترکہ پسندیدہ ہونا ہی ذہنی ہم آہنگی ہے تو اب یہ وہ زمانہ نہیں رہا' آپ سمجھنے کی کوشش کریں' خدا کی قسم آج کل بیوی کا شوہر کے ساتھ شانہ بشانہ چلنا کتنا ضروری ہے۔"

"آپ ایک بار اس کے کہنے پہ لڑکی دیکھ تو لیں۔" عادل نے بھائی کی حمایت کی۔

"اور کیا اس سے ملنے کے بعد کوئی اعتراض ہو تو کہیں۔ بلکہ اعتراض ہو گا ہی کیسے۔ خدا کی قسم اسم بامسمّٰی ہے وہ۔"

میں بری طرح چونک کے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اپنی یہ کمزوری تو میں نے ساری عمر خود تک محدود رکھی تھی۔ اسے کیسے بھنک پڑ گئی۔ میں نے تو کسی کو ہوا تک نہ لگنے دی کہ میں ناموں پر کس حد تک یقین رکھتی تھی۔ اچھا ہی ہوا جو کسی کو نہیں بتایا' اذیت اور رنج والے تجربے کے بعد سب نے ہی مذاق اڑایا تھا میرا کہ اور لاؤ چن چن کے اچھے ناموں والی بہوئیں' اس کے ساتھ ہی مجھے کچھ دیر پہلے چھائی الجھن پھر سے یاد آگئی۔

"اذیت... رنج... اور... اور..."

"اور...؟" میں ہونقوں کی طرح پوچھنے لگی۔

"اور کیا؟ میں تو یہ کہہ رہا ہوں وہ اپنے نام کی طرح ہی میٹھی میٹھی عادات کی مالک ہے۔ آپ نجانے کہاں کھو گئیں۔"

"کیا نام ہے اس کا؟" میں نے دل پہ ہاتھ رکھ کر سوال کیا۔

"شیریں..."

"اذیت... رنج... اور... تلخی۔"

"کیا...؟ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ خدا کی قسم آپ مجھ سے بات کرنے کے موڈ میں ہی نہیں اسی لیے عجیب عجیب باتیں کر رہی ہیں۔ ٹھیک ہے نہ سہی مگر کیں اپنی مرضی اور یہ رہو غرق کر دیں میری زندگی کا۔" وہ ناراض ہو کر اٹھنے لگا تو میں نے ہاتھ تھام کر پاس بٹھا لیا۔

"مجھے کیا ملے گا اپنی مرضی کر کے۔ بچے تو خوش تو میں بھی..." میں نے کہتے کہتے لب چبا لیے۔

"میری طرف سے اجازت ہے ایک تلخی کی کسر تھی۔ تو وہ بھی گھول دے۔" وہ کچھ نہ سمجھنے کے سے انداز میں مجھے تکنے لگا۔ آپ تو سمجھ ہی گئے ہوں گے نا۔"

The End

معاذ حسن